باب دوم

عصرِ حاضر میں اجتہاد کی ضرورت
اور اس کی نظری و عملی اہمیت

اجتہاد کے مختلف طریقے

اجتہاد اور قیاس کے سلسلہ میں رائے کا ذکر بھی اکثر و بیشتر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین فقہاء (Jurists) کو اہل الرائے لکھتے ہیں اور حدیث و آثار میں کہیں رائے کی مذمت کی گئی ہے اور کہیں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ عام طور پر محدثین اہل الرائے کا لفظ مذمت ہی کے انداز میں استعمال کرتے ہیں مگر اس رائے کے بغیر نہ تو محدثین کو چارہ ہے اور نہ ہی کسی اور اہل فن کو۔ اس لئے وہ رائے جس کا استعمال عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ اور بعد کے مجتہدین کرتے رہے اس کی ایک مختصری تشریح یوں ہے:

رائے کے لغوی اور اصطلاحی معنی: رائے کے لغوی معنی عقل، تدبر، غور و فکر اور دیکھنے کے ہیں۔ مثلاً ہم بولتے ہیں ''رُجُل ذُورَاي'' یعنی وہ شخص جو بصیرت اور معاملات میں مہارت اور تجربہ رکھتا ہو۔

فقہا کے نزدیک اس کا اصطلاحی مفہوم اصول بزودی کے مطابق یوں ہے:

> ''رائے غور و فکر کا نام ہے مگر ان طریقوں سے غور و فکر جس کی طرف شریعت نے رہنمائی کی ہو''۔ یعنی خواہش نفسی یا شخصی مصلحت کے مطابق رائے قائم کرنا شریعتاً مذموم ہے۔ البتہ جو رائے شریعت کے بنائے ہوئے حدود کے اندر قائم کی جائے وہی قابل اعتناء ہے۔ یہ رائے ہے جس کا ذکر حدیث معاذؓ کے ذیل میں آچکا ہے کہ رسول اللہؐ کے سوال کے جواب میں تیسری بار معاذؓ نے فرمایا ''اجتهد بالرائی'' یہی رائے ہے جس کا ذکر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کلالہ کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ میں اپنی فہم و بصیرت سے یہ بات

کہہ رہا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو وہ میری غلطی ہے''[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ اجتہاد کا سارا مدار اسی ''رائے'' پر ہے مگر مطلق رائے پر نہیں بلکہ مقید رائے پر۔

فنی لحاظ سے اجتہاد کی بہت سی قسمیں کی جاتی ہیں تاہم ان بڑی اقسام میں کچھ قسمیں یوں ہیں۔(۱) اجتہاد مطلق (۲) اجتہاد مقید

اجتہاد مطلق: اجتہاد مطلق کا تعلق ایسے مسئلہ سے ہے جو اپنی نوعیت میں بالکل نیا ہو جس کے لئے سابق میں کوئی مثال یا نظیر موجود نہ ہو جس پر قیاس کرتے ہوئے شریعت کا حکم متعین کیا جا سکے۔ ایسی حالت میں مجتہد کا کام یہ ہے کہ وہ روحِ اسلام کو رہنما بناتے ہوئے پیش نظر مسئلہ میں فیصلہ دے دے۔

اجتہاد مقید: اجتہاد مقید کا تعلق ایسے مسئلہ سے ہے جو بالکل نیا نہ ہو بلکہ اس کی کوئی مثال یا نظیر سابق میں پائی جاتی ہو، ایسی حالت میں مجتہد کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ عملی نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے پیش آمدہ صورت حال پر شریعت کے حکم کا انطباق عمل میں لائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اجتہاد مطلق میں اصل رہنما روح اسلام ہوتی ہے اور اجتہاد مقید میں اصل رہنما کوئی عملی نظیر[2]

اسی طرح سے اجتہاد کے دو اور طریقے بھی ہیں یعنی اجتہاد بیانی اور اجتہاد قیاسی

اجتہاد بیانی: اجتہاد بیانی کا تعلق کتاب وسنت کے الفاظ اور اس کے معنی سے ہوتا ہے اصول فقہ میں الفاظ و معانی کی جو بحث ہوتی ہے ان سب کا تعلق اجتہاد بیانی سے ہے[3]۔ یعنی جس حکم میں نص موجود ہو اس کی عبارت کے مفہوم کے تعین و تطبیق کے بارے میں جو بحث کی جاتی ہو وہ اجتہاد بیانی ہے۔

اجتہاد قیاسی: اجتہاد قیاسی وہ اجتہاد ہے کہ جس مسئلے کے بارے میں نص موجود نہ ہو مگر منصوص اور غیر منصوص مسئلہ میں کوئی علت مشترکہ ہو تو اس علت کو دریافت کر کے غیر منصوص پر منصوص کا حکم لگانے کو اجتہاد قیاسی کہتے ہیں۔

کہیں غیر منصوص مسئلہ پر شرعی حکم صرف مصلحت عامہ کے تحت لگاتے ہیں جسے (publicgood) مصالح مرسلہ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی اجتہاد قیاسی ہی کی قسم سے ہے اور کہیں ظاہری قیاس کے بجائے کسی خفی قیاس کی بناء پر حکم لگاتے ہیں۔ اس کو استحسان (preference) کہتے ہیں اور یہ بھی اجتہاد ہی کی قسم ہے اور اس کے لفظی معنی ہیں کسی چیز یا کسی بات کو اچھا سمجھنا۔ مگر استحسان کی شرعی تعریف یہ ہے:

"العدول بالمسئلة عن حکم نظائر ها الی حکم آخر بوجه اقوی یقتضی هذا العدول"[4]

یعنی کسی مسئلے میں اس کے نظائر سے قطع نظر کر کے کسی دوسرے حکم کو کسی قوی وجہ کی بناء پر دلیل بنا کر کوئی حکم لگانے کو استحسان (preference) کہتے ہیں۔

دورِ حاضر کے ایک جیّد عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ استحسان کی عام فہم تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حنفی مکتبہ فکر کے مطابق استحسان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے کے ظاہری حالات کی بناء پر کوئی بات ذہن میں آجاتی ہے تو اس پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ گہرے غور و فکر کے بعد عمیق تر حقائق کے پیش نظر حکم دیا جائے۔ چنانچہ استحسان سے کام لینے والے حنفی آئمہ محض ظاہری حالات کو کافی نہیں سمجھتے اور ایک عمیق تر سبب معلوم کر کے اس کی بناء پر احکام دیتے ہیں"[5]

بعض اوقات ایک مجتہد کے سامنے کوئی نیا معاملہ یا مسئلہ درپیش آتا ہے اور اس کو

کتاب وسنت یا اجماع میں اس کا کوئی جواب نہیں ملتا ہے۔اور کبھی اسے کتاب وسنت کے منصوص احکام میں بھی علت نہیں ملتی تو وہ اپنے اجتہاد کے ذریعے کوئی علت معلوم کرتے ہوئے اس پر حکم لگاتا ہے۔فقہا کی اصطلاح میں اس اجتہادی طریقے کو تحقیق مناط، تنقیح مناط اورتخریج مناط کہتے ہیں۔اس کی تصیل یوں ہے:

تحقیق مناط: یعنی نئے حالات، مسائل اورمشکلات میں فقہ اسلامی کی تطبیق۔ یہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک ناگزیر ضرورت ہے۔دراصل اجتہاد کی یہ قسم ہر دور اور ہر عہد میں فقہ اسلامی کو حرکی اور دوامی بناتا ہے اور ہر طرح کے جمود وانجماد سے اُسے محفوظ رکھتی ہے۔عصر حاضر جسے انقلابات کا دور بھی کہا جاسکتا ہے۔اس میں سائنس اور تکنالوجی اور طب وسرجری کی غیر معمولی ترقی کی وجہ سے ہزاروں نت نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ ان نئے مسائل کے بارے میں کتاب وسنت یا فقہ اسلامی کے عظیم الشان ذخیرہ میں صراحۃً کوئی حکم نہیں مل سکتا ہے اس لئے اس دور کے بالغ نظر فقہاء کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ زمانے کے نئے تقاضوں اور چیلنجوں کا جواب دینے کے لئے اپنے آپ کو جدید علوم سے لیس کریں اور موجودہ حالات کے تقاضوں اور چیلنجوں کا جواب دے دیں کیونکہ دین اسلام ایک علمی دین ہے اس میں بڑی لچک ہے۔وہ اپنے اندر ہر دور اور ہر عہد کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی بھر پور صلاحیت رکھتا ہے۔اسی لئے امام شاطبی نے تحقیق مناط کی تعریف یوں کی ہے ''کوئی حکم شرعی کسی اصول شرعی سے ماخوذ ہو مگر اس کا اطلاق کن کن چیزوں میں ہوسکتا ہے۔اس میں غور وفکر کی گنجائش ہوتی ہے''[٦]

تنقیح مناط: شارع نے حکم کی نسبت اس کے سبب کی طرف کی ہے۔لیکن اس موقعہ پر کچھ ایسی اوصاف اور اتفاقی قیود بھی مذکور ہیں جن کے حکم میں کوئی دخل نہیں ہے۔اب مجتہد کا کام ان مذکورہ اوصاف کو چھان پھٹک کر اصل سبب حکم کا اعتبار کرنا اور ان جزئیات پر اس حکم کو

منطبق کرنا جن میں وہ سبب موجود ہوں۔ اوران اوصاف کونظرانداز کردینا جن کا حکم میں کوئی دخل نہ ہو۔

تخریج مناط: یعنی کسی خاص مسئلہ میں شارع نے حکم دیا ہو لیکن شارع نے علت حکم کی صراحت نہیں کی ہو۔ اب مجتہد کا کام یہ ہے کہ وہ اس حکم کی علت اپنے اجتہادی فکر سے مستنبط کرے اور پھر اشتراک علت کی صورت میں اس حکم منصوص کو دوسری جزئیات کی طرف منتقل کرے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ رسول اللہؐ نے حدیث میں گیہوں، جو، نمک اور سونے چاندی میں صراحتہً ربوا کو ان الفاظ میں حرام قرار دیا ہے۔

"الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر يا لبرو الشعيرا بالشعيرا والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدابيد فاذااختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذاكان بيدا بيدً۔

(رواہ مسلم واحمد عن عبادۃ بن الصامتؓ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اشیاء مذکور میں کون سی ایسی خصوصیت ہے جو اس حکم کی بنیاد ہے۔ اگر وہ مدارِ حکم متعین ہو جائے تو دوسری اشیاء بھی جن میں وہ خصوصیت پائی جاتی ہو، حرمت حکم ربوا کا محل قرار پائیں گی۔

اب مجتہدین نے حدیث مذکورہ کے ان چھ اشیاء پر غور کیا تو کسی نے یہ دیکھا کہ چاندی، سونا، ثمن ہیں اور باقی چار چیز انسانی غذا ہیں۔ اس لئے انہوں نے علت ثمنیت اور طعم متعین کیا اور امام ابوحنیفہؒ نے یہ دیکھا کہ ان چھ اشیاء میں سے ہر ایک ناپی تولی جانے والی چیزیں ہیں اور ہر ایک کو اس کی جنس کے ساتھ متفاضلہ فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے انہوں نے علت حکم کی تخریج کرتے ہوئے جنس وقدر کو مدار حکم قرار دیا اور چاول کو چاول کے عوض زیادتی اور کمی کے ساتھ فروخت کرنا حرام قرار دیا۔ ایسے ہی مقامات پر جہاں حکم

منصوص نہیں ہو، علت حکم کا استنباط ''تخریج مناط'' ہے۔[۸]

عصرِ حاضر میں اجتہاد کی ضرورت:

عصر حاضر میں سائنسی پیش رفت اور ٹیکنالوجیکل ترقی کی وجہ سے کئی مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان مسائل کی نوعیت مختلف ہے۔ دراصل جدید علوم نے سینکڑوں دعوؤں کو متزلزل کر دیا ہے۔ اس لئے دین کی تائید کے لئے جدید اجتہادات کی کبھی اتنی شدید ضرورت نہ تھی جتنی کہ آج ہے۔ کیونکہ مادّی قوتوں میں اب اس قدر وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے کہ بہت سے کوائف جن کا دار و مدار روحانی اثرات پر رکھا جاتا تھا اب مادّی حدود کے اندر آ گئے ہیں۔ مثلاً بعض ایسی جسمانی کیفیات اور جنون کی بہت سی ایسی قسموں کا تعلق جن کو روحانی اثرات پر محمول کیا جاتا تھا اب دماغ سے براہ راست ثابت ہو گیا ہے۔ اسی طرح روحانیت کے اثرات کا دائرہ بظاہر تنگ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا روحانیت کو مادیت کے ایسے حملوں سے بچانے کے لئے کیسے کیسے اجتہادات کی ضرورت ہو گی۔

اسی طرح زمانہ قدیم میں متعدد ایسی شدید بیماریاں تھیں کہ لوگ توہم پرستی اور ڈر کی وجہ سے ان کو پوجتے تھے یا ان سے نجات کی دعائیں مانگتے تھے لیکن اب وہ سائنسی ایجادات و اختراعات سے صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہیں۔ ان میں چیچک اور طاعون انسان کے زبردست بلکہ جان لیوا دشمن تھے۔ اب مغرب کے بعض ملکوں کے رہنے والوں نے اپنی کوشش سے اپنی ساری آبادی کے قد بڑے کر لئے ہیں اور ان کی عمریں تک لمبی ہو گئی ہیں۔ اب تو زندگی اور موت پر قابو حاصل کرنے کے منصوبے سائنس کے پیش نظر ہیں۔ اب تو مصنوعی طریقے سے بچے پیدا کئے جا رہے ہیں اور دم توڑتے ہوئے مریضوں کو کچھ گھنٹوں کی مہلت مہیا کی جاتی ہے۔ ایسی دوائیاں ایجاد ہو چکی ہیں جن سے یہ امکان نظر آ رہا ہے کہ انسان کا مزاج اور اس کی

صلاحیتوں کو بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔اب دنیا میں ایسے انسانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے جوغیب کی طاقت اور کسی کی خدائی کو نہیں مانتی نیز بعض اہم قدیم دلائل نادانی کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔لہٰذا دین حق کی تائید کے لئے اب فقہ کی باریکیاں اور قدیم علم الکلام کے دلائل جدید قسم کے غور وفکر کی محتاج ہیں۔اب جدید علوم اور وسیع النظری کی حاجت ہے تاکہ سائنسی اندازفکر ونظر رکھنے والوں کے ساتھ اس دین حنیف کے علمبردار کی حیثیت سے مسلمان مسلمان بھی رہے اور سائنسی اندازِ فکر بھی اپنے اندر پیدا کرلے۔

عصر حاضر میں جو سب سے بڑا مسئلہ ابھر کے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ نیکی اور بدی میں فرق گھٹتا جارہا ہے اور اس فرق کا ثبوت بھی دھندلا پڑتا جارہا ہے۔بہت سے تفصیلی احکام ہیں جن کو فقہا نے اپنے اپنے وقت کے اجتہادات کے مطابق جاری فرمایا ہے لیکن اب وہ مزید غور وفکر کے محتاج ہیں۔مثلاً ضبط تولید کا مسئلہ یا معاشرہ میں عورت کا مقام وغیرہ اب بہت غور طلب امور بن گئے ہیں۔دراصل موجودہ زمانہ میں جو نئے فکری اور عملی مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کا ایسا جواب فراہم کیا جانا چاہئے کہ جس میں ایک طرف اسلام کے روح اور مزاج کی مکمل رعایت شامل ہو اور دوسری طرف وہ جدید تقاضوں کو پوری طرح سمیٹے ہوئے ہوں۔ اس کی مثال یوں ہے۔قرآن حکیم کے حکم کے مطابق مرد عورتوں پر قوام ہیں یعنی حاکم ہیں۔[۹]

علمائے متقدمین نے اس تقسیم کی روائتی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ عورت پر مرد کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ وہ عقل وتدبیر میں عورت پر بڑھا ہوا ہے۔[۱۰] دور جدید میں یہ زیادہ ممکن ہوگیا ہے کہ اس توجیح کے حق میں ہم نئے سائنسی انکشافات اور دلائل پیش کرسکتے ہیں جدید علم الحیات یعنی بیالوجی کے عمیق مطالعہ سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان پیدائشی طور پر ہی فرق پایا جاتا ہے۔عورت کے جسم کے ایک ایک سل Cell سے لیکر اس کے دماغ کی بناوٹ تک سب کی سب مرد سے مختلف ہوتی ہے۔اس لحاظ سے

مرد کے مقابلے میں عورت زیادہ جذباتی، منفعل مزاج اور قدرتی طور پر ضعیف الجسم ہوتی ہے۔ مرد کے مقابلہ میں اُسے زندگی کے چیلنجوں کا سامنا کرنا اس کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے لہٰذا ایسی حالت میں یہ بالکل فطری امر ہے کہ گھر اور سماج کے نظام میں مرد کو عورت کے اوپر قوام کا درجہ دیا جائے گرچہ مغربی سماج مانے یا نہ مانے لیکن اسلام کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی انکشافات واختر افات نے اس حقیقت پر اب مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

دراصل اجتہاد کا عمل رکنے سے بہت سے خرابیوں کے ساتھ ایک ہلاکت خیز خرابی یہ پیدا ہوجاتی ہے کہ مسلمان خود اپنے دین کے نئے نئے امکانات کو دریافت کرنے سے محروم ہوجاتا ہے۔ رسول رحمتؐ کے ذریعہ جو دین ہم تک پہنچا ہے وہ ایک مکمل نظام زندگی فراہم کرتا ہے اس لئے وہ فطری طور پر ہر دور کے لئے امکانات فراہم کرتا ہے۔ اب ان امکانات کو ہم مجتہدانہ بصیرت ہی کے ذریعہ دریافت کرسکتے ہیں۔ لیکن جب اجتہاد کو ممنوع ٹھہرا کر تقلید کو رائج کردیا جائے تو ان امکانات کا دروازہ خود بہ خود بند ہوجاتا ہے۔ قرآن میں بہت سی آیات استقبال کے صیغہ میں آتی ہیں۔ مثلاً سورۃ حم السجدہ ۵۳ میں ارشاد ربانی ہے:

" سنریهم ایاتنا فی الافاق و فی انفسهم حتّٰی یتبین لهم انه الحق"

(عنقریب یہ ہماری نشانیاں آفاق میں بھی دیکھیں گے اور اپنے آپ میں بھی یہاں تک کہ انہیں معلوم ہوجائے گا کہ یہ حق ہے) یعنی ہم انہیں عنقریب اپنے نمونے دنیا میں بھی دکھلائیں گے۔

اسی طرح ایک حدیث ہے کہ رسولؐ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور یہ خبر دی کہ آئندہ آنے والے دور میں فتنے اٹھیں گے۔ آپؐ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن پاک اس میں آپؐ سے پہلے کی خبریں بھی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کی بھی خبریں ہیں۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

"جمع اللہ فی ھذا الکتاب علم الاولین والآخرین و علم ماکان
وعلم مایکون"

یعنی فرمایا رسولؐ نے کہ قرآن میں اللہ نے اولین اور آخرین کے علم کو جمع کر دیا ہے اور جو ہوا اور ہوگا ان سب کا علم جمع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین حنیف یعنی اسلام میں قیامت تک کی باتیں چھپا دی گئی ہیں اور لازم ہے کہ یہ باتیں ہر دور میں ظاہر ہو جائیں گی تب ہی ہم اس کی آیات پر غور وفکر کر کے اجتہادی کاوشیں تیز کریں گے۔ اس کی چند مثالیں ہم یوں دے سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے وقت کا مصری مغرور بادشاہ فرعون سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا اور قرآن میں فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:

"پس آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لئے نشانی (عبرت) بنے اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل رہتے ہیں"[۱۳۱]

اس آیت کے مطابق اللہ نے فرعون کا جسم معجزاتی طور پر محفوظ رکھا تاکہ اہل اسلام اس صداقت کو استعمال کر کے بعد کی نسلوں کے سامنے کتاب اللہ کی صداقت کا ثبوت پیش کر سکیں۔ یہ علمی خزانہ مصر کے اہرام میں محفوظ ہے مگر مصری علماء صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ یہ بلند اہرام "تعنة الفراعنة" کے حامل ہیں۔ اتنی صدیوں کے گزرنے کے بعد بھی مسلم علماء اس نشانی پر پردہ نہ اٹھا سکے اور نہ مزید غور وفکر اور جستجو کر سکے تاکہ قرآن کی ایک ناقابل انکار صداقت کے طور پر اس فرعونی جسم کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے متحمل ہو سکتے یہاں تک کہ ایک فرانسیسی اسکالر پروفیسر لورٹ (Loret) نے ۱۸۹۸ء میں فرعون کے اس محفوظ جسم کو اہرام

کے اندر سے نکالا۔ پھر اس ممی کیئے ہوئے جسم کو قاہرہ کے میوزیم میں رکھا گیا۔ اس کے بعد پہلی بار ۱۹۰۷ء کو پروفیسر اسمتھ (Elliot Smith) نے اس جسم کے غلاف کو کھول کر اس کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے اس پر "The Royal Mummies" نام کی کتاب لکھی۔

اس کے بعد ایک فرانسیسی عالم ڈاکٹر موریس بکائی نے اس دریافت شدہ مواد (material) کو اسلام کی صداقت کے لئے استعمال کیا۔ ڈاکٹر موریس بکائی ۱۹۷۵ء میں خود قاہرہ گیا اور وہاں اس نے براہِ راست طور پر میوزیم میں اس کا مطالعہ کیا۔ اس معاملہ کی کامل تحقیق کے لئے اس نے عربی زبان وادب کامل طور پر سکھی۔ اس تحقیق کے بعد اس نے اپنی شاہکار تصنیف فرانسیسی زبان میں رقم کی۔[۱۴]

اس طرح قرآن کی مذکورہ بالا پیشن گوئی کو واقعاتی طور پر ثابت کرنے والا ایک غیر مسلم فرانسیسی عالم بن گیا۔ اسی کو اللہ کی طرف سے یہ توفیق نصیب ہوئی کہ وہ اس کی بابت یہ پر اہتزاز بیان تاریخ میں ثبت کر سکے کہ وہ لوگ جو مقدس کتاب یعنی قرآن پاک کی سچائی کے لئے جدید ثبوت چاہتے ہیں وہ قاہرہ کے مصری میوزیم میں شاہی ممیوں کے کمرہ کو دیکھیں وہاں وہ قرآن کی ان آیات کی شاندار تصدیق پالیں گے جو کہ فرعون کے جسم سے متعلق ہیں۔

یہاں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر بھی نظر رکھنی چاہتے جو صحیح البخاری کتاب الجہاد میں مذکور ہے اور جس میں رسولؐ فرماتے ہیں۔ ان اللہ لیئوید ھذا الدین بالرجل الفاجر، یعنی اللہ فاجر شخص کے ذریعہ بھی اس دین کی مدد کرے گا۔[۱۵]

اس حدیث رسول ﷺ پر غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر ایک فاجر وفاسق انسان کے اندر اجتہاد کی اسپرٹ ہو تو وہ بڑے بڑے تخلیقی کام سرانجام دے سکتا ہے اور اس کے برخلاف مومن اگر اجتہادی اسپرٹ سے خالی ہو جائے تو اس دنیا میں وہ کوئی بھی بڑا معرکہ سرانجام نہیں دے سکتا ہے اس لئے علامہ اقبال کہتے ہیں

کافر بیدار دل پیش صنم
بہ ز دیندار ے کہ خفت اندر حرم

یا

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلمان بھی ہے کافر و زندیق

اجتہاد کی نظری وعملی اہمیت

عصر حاضر میں جب مہلک جنگی ہتھیار پیدا کئے گئے تو ساری دنیا میں جنگ کو برا سمجھا جانے لگا۔ تمام سنجیدہ حلقوں میں جنگ اب ایک ناپسندیدہ چیز بن گئی کیونکہ جدید ہتھیاروں کے بعد جنگ تباہی و بربادی کے بغیر کوئی اور چیز اپنے ساتھ نہیں لایا ہے۔ وہ دن گئے جب کہا جاتا تھا کہ اگر آپ امن چاہتے ہیں تو جنگ کے لئے تیار رہیے۔ (If you want peace , be prepare for war)۔ اسلام کے متعلق بھی اب یہی کہا جانے لگا کہ اب یہ نئے دور کے لئے غیر متعلق یعنی Irrelevant ہو چکا ہے۔ یہ دور جدید میں کوئی تعمیری رول ادا نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اسلام کا انحصار جنگی طاقت پر زیادہ ہے اور جنگی طاقت میں اب سرے سے کوئی تعمیری رول ادا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ہے۔

اس نئے ماحول میں ضرورت ہے کہ اسلام کی امن کی طاقت کو دلائل وشواہد سے واضح کیا جائے مگر زمانہ حاضر کے تمام مسلم علماء صرف مدافعت کرنے میں مشغول ہیں اور وہ صرف اسلامی جنگ ہی کے قوانین پر کتابیں رقم کر رہے ہیں لیکن پہلا انسان جس نے اسلام کی امن کی طاقت یا دوسرے لفظوں میں اسلام کی دعوتی طاقت کو منظم و مدلل انداز میں پیش کیا ہے وہ

ایک عیسائی دانشور ڈاکٹر ٹی ڈبلیو آرنلڈ ہیں۔ انہوں نے ۱۸۹۶ء میں دعوت اسلام کے متعلق اپنی کتاب The Preaching of Islam شائع کی۔ اس کتاب میں انہوں نے مدلل انداز میں اسلام کی نظریاتی طاقت کو پیش کیا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق دورِ جدید میں یہی تحریک یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ اپنے پختہ نظریئے کی بناء پر انسانوں کو مسخر کرسکتی ہے۔ ڈبلیو آرنلڈ شاید اس حدیث رسول ﷺ پر مہر تصدیق ثبت کررہے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا کہ ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تمہارے ستر ہزار افراد ایک شہر میں پہنچیں گے۔ وہ نہ کسی ہتھیار سے لڑیں گے اور نہ کوئی تیر ماریں گے وہ صرف لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے اور قلعہ کی دیواریں گر پڑیں گی''[1]

عصر حاضر میں رسول محترم ﷺ کی یہ پیشن گوئی کامل طور پر پوری ہوچکی ہے آج علمی نقطۂ نظر سے وہ تمام پرامن اسباب پوری طرح سے ظاہر ہوچکے ہیں جن کو استعمال کرکے اس طرح کسی مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے کہ نہ کسی کا خون بہایا جائے اور نہ ہی کسی پر ناروا تشدد کیا جائے۔ جاپان، ہندوستان، افریقہ وغیرہ میں آئے دن اسلام کا آفاقی پیغام سمجھ کر بڑے بڑے اسکالر مسلمان ہورہے ہیں۔ اسلامی مقاصد کے لئے تو پرامن ذرائع زیادہ کارآمد ہیں کیونکہ اسلام کے پاس ایک ایسی تسخیری قوّت موجود ہے جو کسی اور کے پاس نہیں، یعنی یہ ایک صاف اور شفاف (Transparent) آئیڈیولوجی رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے تو اسے آئیڈیولوجیکل سپر پار (Ideological Superpower) کی حیثیت حاصل ہے اسی لئے دور جدید میں اسلام کے لئے زیادہ موافق حالات پیدا ہوچکے ہیں۔

عصر حاضر میں مسلمان کے لئے طب اور جراحی کے مسائل میں اجتہادی فکر کا زبردست سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دراصل انسانی زندگی کو موت اور اذیت ناک مصائب سے بچانا تاریخ اسلامی کے ہر دور میں قابل قدر فریضہ سمجھا گیا ہے اور جو لوگ اس فریضۂ انسانیت کے

بجا آوری سے سرخرو ہوئے وہ ہمیشہ نوع انسانی کے نزدیک تحسین و تبریک کے مستحق قرار پائے۔ آج سے ساٹھ ستر سال پہلے لاکھوں انسان خون کی کمی خصوصاً لڑائیوں میں زخموں کی تاب نہ لاکر لقمہ اجل بن جاتے تھے لیکن میڈیکل سائنس میں برق رفتاری کی ترقی اور ماہرین علم طب کی انتھک محنت سے لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ میں جانے سے بچالیا گیا۔

اسلام نے بھی انسانی زندگی کو ہلاکت و بربادی سے بچانے کو ایک بہت بڑی نیکی اور تمام انسانیت کے ساتھ احسان قرار دیا ہے۔[۱۷] ایک انسان کے خون کو دوسرے انسان میں منتقل کرنے کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب اس انسان کی زندگی کو ہلاکت کا خطرہ ہو۔ بعض اوقات تو ہلاکت کا یہ خطرہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ چند ثانیے کے توقف سے زخمی کی موت واقع ہوسکتی ہے۔ قرآن مجید نے اسی حالت اضطرار یعنی مجبوری کی حالت سے تعبیر کرتے ہوئے ایسی حالت میں ایسی چیزوں کو بھی استعمال کرنے کی کھلی اجازت دی ہے جنہیں شریعت اسلامی میں حرام قرار دیا گیا ہے۔[۱۸]

یہاں یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ قرآن یہاں اس امر کی کوئی تخصیص نہیں کرتا ہے کہ یہ خون انسانوں کا ہوگا یا حیوانوں کا۔ اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، علماء دین اس کی توضیح اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسانی جسم کے لئے نقصان دہ ہیں لیکن ان تمام برائیوں کے باوجود قرآن اضطراری حالت میں انسانی جان بچانے کے لئے انہیں جائز قرار دیتا ہے۔ تمام فقہی مذاہب نے اس قرآنی اجازت کو تسلیم کیا ہے بلکہ ہر فقہ کے بعض فقہاء نے تو غیر اضطراری حالت میں بھی ان حرام چیزوں سے دواؤں وغیرہ میں فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری کا یہ فتویٰ قابل توجہ ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

''اگر بیمار کو کسی طبیب مسلمان نے خبر دی کہ تیری شفا خون یا پیشاب سے یا مردار کے کھانے میں ہے اور اگر اس نے ان مباح چیزوں میں سے اس کے قائم مقام کوئی چیز نہ پائی تو اس کو پینا و کھانا جائز ہے''[۱۹]

اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ خون کے انتقال سے بھی زیادہ اہم ہے۔ دور جدید میں علم طب اب اس حد تک ترقی کر چکا ہے کہ مردہ انسانوں کے اعضا زندہ انسانوں میں بدل دئے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں ایک فیصد سے زائد نابیناؤں کی بینائی بحال کی جا چکی ہے۔ اکثر مسلمان ملکوں نے خوں کے انتقال کے جواز کے فتوے کے ساتھ ہی س مسئلہ کو حل کیا ہے۔

آج سے ستر سال پہلے مصر میں علماء دین کی ایک مجلس کے سامنے انہی مسائل کو پیش کیا گیا۔ اس موقعہ پر علامہ رشید رضا نے اس مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اعضاء کی پیوند کاری کوئی نیا مسئلہ نہیں۔ فقہائے کرام نے اسے صدیوں پہلے حل کر دیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے اس مقصد کے لئے انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دیدی تھی بشرطیکہ اس سے انسانیت کو فائدہ پہنچ سکے۔ اس کی تائید میں آپ نے ابن قدامہ کا یہ فتویٰ پیش کیا تھا:

''اور انسان کے تمام اعضاء کی فروخت جائز ہے کیونکہ غلام اور لونڈی کی فروخت بھی جائز ہے اور آزاد آدمی کی فروخت اس لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں اور انسان کے کاٹے ہوئے اعضاء کی فروخت کی بھی اجازت نہیں کیونکہ اس سے کوئی نفع نہیں ہوتا''[۲۰]

علامہ رشید رضا نے اس کتاب کو جدید دنیا کی تحقیق کے مطابق دوبارہ مرتب کر کے شائع کرایا۔ کتاب کے نیچے وہ اپنا یہ نوٹ قلمبند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یعنی انسان کے اعضاء کی فروخت اس وقت جائز ہے جب ان سے نفع اٹھایا جائے اور یہ ہمارے زمانے میں ممکن ہو گیا ہے جبکہ جلد سے ایک قطعہ کاٹ کر

اس سے بدن کے دوسرے حصے میں پیوند کاری کردی جاتی ہے"

جسے آجکل "Plastic Surgery" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مردہ جسم کے کسی حصے کو کاٹنا اس کی بے حرمتی کرنا ہے لیکن خود حنفی فقہ میں بعض مثالیں ایسی موجود ہیں جو اس اعتراض کو غلط قرار دیتی ہیں۔ مثلاً فتاوٰی عالمگیری میں مذکور ہے:

"فتاوٰی ابوالليث میں مذکور ہے کہ اگر عورت مرگئی اور وہ حاملہ تھی اور یقین ہوا کہ اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو عورت مذکور کا پیٹ بائیں طرف سے چاک کیا جائے اسی طرح اگر گمان غالب ہو کہ اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو بھی یہی حکم ہے یہ محیط میں ہے"[۲۱]

یعنی ایک ایسی جان کہ جس کی زندگی کا پورا یقین نہیں، اسے بچانے کے لئے مردہ عضو کاٹنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس کے برعکس فقہائے کرام نے ایک زندہ انسان کو بچانے کے لئے کسی ایسے مردہ نفس کہ اس کی موت کا پورا یقین بھی نہیں، کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی اجازت دی ہے یہ فتوٰی بھی فتوٰی عالمگیری میں ہی ملاحظہ ہو:

"اگر کسی حاملہ کے پیٹ میں بچہ معترض ہوگیا۔ یعنی بینڈا ہوکر چوڑان میں پڑ گیا اور لوگوں کو بچہ نکالنے کی کوئی راہ نہ معلوم ہوئی سوائے اس کے کہ بچہ کے عضو جدا کردئے جائیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ماں کی جان کا خوف ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر بچہ پیٹ کے اندر مرگیا تو ایسا کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں"[۲۲]

اس فتوٰی کے مطابق ایک زندہ جان کو ہلاکت سے بچانے کے لئے مردہ نفس کی اجازت کے بغیر اس کے اعضاء کاٹنے اور ٹکڑے کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس زمانے میں میڈیکل سائنس مصیبت زدہ انسانوں کو دائمی دکھ اور تکلیف سے بچانے کیلئے

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کر رہی ہے۔تو اس کا دائرہ کار صرف مردہ انسانوں تک محدود ہے کہ جو اپنی موت سے قبل انسانیت کے نفع کے لئے اپنے جسم کے بعض اعضاء دوسرے انسانون کی مصیبتیں دور کرنے کے لئے استعمال کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ اعضاء ویسے بھی موت سے چند دنوں کے بعد فنا ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی مرنے والے نے اپنے عطیے سے کسی دوسرے قریب المرگ انسان کو زندہ رکھنے میں مدد دی تو وہ میرے خیال میں قرآن مجید کے اس ارشاد کے مطابق اللہ کے نزدیک ضرور اجر وثواب کا مستحق ہوگا:

ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمعیا

(ترجمہ) اور جس نے ایک انسانی جان کو ہلاکت سے بچایا اس نے گویا ساری انسانیت کو بچالیا۔ (المائدہ ۳۴)

ہمارے وقت کا ایک اہم مسئلہ ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کا مسئلہ ہے۔ضرورت ہے کہ وقتی حالات کے پیش نظر اور معاشی اور معاشرتی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ان شعبوں میں بھی اجتہاد کیا جائے۔ ان مسائل کے علاوہ کچھ اور مسائل بھی ہیں جن کا تعلق ہندوستانی مسلمانوں کے اپنے تہذیبی و معاشرتی معاملات سے ہے۔مثلاً مسلمانوں میں نکاح، تعداد ازواج، نان ونفقہ اور طلاق سے متعلق غیر شرعی رسوم کا چلن اور اس سلسلہ میں دار القضاء کا کردار وغیرہ:

مذکورہ بالا مسائل پر علماء نے بحث تو کی ہے مگر ان کی ان فقہی آراء میں کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔[۲۳]

ضرورت ہے کہ ان انفرادی کوششوں کی جگہ اجتہاد اور اجماع کے شورائی اور اجتماعی طریق کار کو اختیار کیا جائے اور ملت اسلامیہ کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا باوثوق اور معتبر مواد بہم پہنچایا جائے۔

عصر حاضر میں صحافت یعنی (Journalism) کو ایک نہایت طاقت ور ادارہ سمجھا جاتا ہے مگر مسلمانوں کا کوئی خاطر خواہ حصہ (Contribution) اس میں نہیں ہے اس لئے کہ یہ پیشہ ایک وافر ذرائع آمدن کا متقاضی ہے۔ یعنی کم از کم اس ادارے کو فعال بنانے کے لئے ایک صنعت (Industry) کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں عالمی نوعیت کی کوئی مشترکہ صنعت نہ ہونے کے سبب ان کے پاس صحافت Journalism کا کوئی بین الملی ادارہ موجود نہیں ہے جس کی آج کل زبردست ضرورت ہے۔ اس معاملہ میں مسلمان عالمی طور اس کمی کا شکار ہورہے ہیں۔ یہ ایک اجتہاد طلب معاملہ ہے اس معاملہ میں کم از کم قابل لحاظ تعداد کے علماء کو اپنی مشترک اجتہادی رائے پیش کرنی چاہئے۔

اس ادارے کو مسلمان عالم اسلام کے لئے نہایت موثر رابطے کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر عرب اپنے پیٹرول کی قدرتی دولت کی ایک مشترکہ صنعت کو تشکیل دیتے جو صحافت کے لئے بھی موثر اقتصادی ڈھانچہ فراہم کرتی۔ دراصل صنعتی پچھڑے پن کا نتیجہ دوسرے اکثر میدانوں میں عالم اسلام کو دنیا سے پیچھے دھکیلتا ہے۔ اس لئے ان معاملات پر علماء اسلام مشترکہ طور پر غور وخوض کرکے اجتماعی اجتہاد کرسکتے ہیں یہی وقت کی شدید ضرورت بھی ہے۔

بینک کا مسئلہ: دور جدید میں ایک اہم مسئلہ بنک کے سود کا ہے جو جدید اقتصادیات کی بنیاد بن گیا ہے۔ مسلمانوں میں قرآن کے مطابق سودی لین دین حرام ہے۔ کمیونسٹ نظریہ کے مطابق بھی سودی کاروبار ناجائز ہے۔ چنانچہ کمیونسٹ ملکوں میں خاص طور پر روس اور چین میں اندرون ملک سودی بینکنگ سسٹم کا کوئی جواز نہیں ہے البتہ بین الاقوامی سطح پر ان کو اس حمام میں ضرور آنا پڑتا ہے۔[۲۴] یہی مثال مسلمانوں کی ہے کہ جہاں مسلمان دستور سازی کی پوزیشن میں نہ ہوں وہاں لازماً انہیں بھی بہت سی معاشی ومعاشرتی اور سیاسی دقتوں اور قانونی مجبوریوں

کی بناء پر سیکولر قوانین کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اس بات کو چاہئے ہمارا پُر عزیمت دینی ذہن قبول نہ کرے مگر عملی زندگی میں ہمیں اس سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔البتہ اس بارے میں دو رائیں ہوسکتی ہیں کہ عموم بلویٰ اور حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے جن معاملات میں ہم حرام و حلال کی قیود کو باقی نہ رکھ سکیں یا کسی مکروہ کام پر مجبور ہوں تو ان کا ارتکاب یا استعمال ذہنی طور پر ہم جائز سمجھ کر کریں یا ان کو حرام یا ناجائز سمجھتے ہوئے کراہتاً قبول کریں۔قرآن وحدیث کی رُو سے یہی دوسری صورت اسلام کی روح سے قریب تر معلوم ہوتی ہے۔[۲۵]

بینک کے سود کا مسئلہ بھی ایک نہایت نزاعی مسئلہ ہے۔علماء کی اکثریت اس کو حرام قرار دیتی ہے تاہم کچھ علماء کی رائے مذکورہ بالا حقائق اور مجبوریوں کی وجہ سے اس معاملہ میں مختلف ہے۔چنانچہ مصر کے مفتی ڈاکٹر محمد سید طنطاوی نے ۱۹۹۵ء میں مصری سفارت خانہ میں ہونے والی ایک بڑی میٹنگ میں اپنا یہ فتوی صادر کیا کہ بینک انٹرسٹ میں کوئی برائی نہیں ہے۔ان کے خیال کے مطابق بینک کا قرض اگر کسی معقول ضرورت کیلئے لیا جارہا ہو تو وہ حلال ہے۔بینک کیلئے اس قسم کے قرضوں پر انٹرسٹ لینے کو بھی وہ جائز قرار دیتے ہیں۔[۲۶]

دراصل بینک کے سود کا مسئلہ نہایت ہی نزاعی اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔کوئی بھی عالم ابھی تک کوئی حتمی رائے اس معاملے میں نہیں دے سکا ہے لہٰذا ابھی تک یہ حل طلب مسئلہ اور حل طلب اجتہادہی سمجھا جاتا ہے۔دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دور جدید ایک صنعتی زمانہ ہے اور جدید صنعت صرف بینک ہی کی بنیاد پر چل سکتی ہے۔ابھی تک اس کا کوئی حقیقی بدل سامنے نہیں آسکا ہے۔اسی لئے ڈاکٹر سید نواب حیدر اپنی کتاب "Ethics of Economics" میں صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہمیں اپنا اقتصادی ڈھانچہ پوری طرح سے اسلامی نقطہ نظر کے مطابق تبدیل کرنا ہوگا جب ہی ہم ایک فلاحی غیر سودی بینک کاری کا نظام رائج کرسکتے ہیں۔[۲۷] یعنی جب تک نہ بین الاقوامی طور پر ہم غیر سودی بینک سسٹم کو عملاً نافذ کریں

گے تب تک ہمیں بہرحال سودی بینک سسٹم سے نبرد آزما ہونا ہی پڑے گا۔

اسلامی قوانین ہر دور کے لئے نافذ العمل ہیں:

تعزیری جرائم کے اعتبار سے اسلامی قانون ہر ملک اور ہر زمانے کے لئے نافذ العمل ہیں اور اسلامی ممالک میں جہاں جہاں وہ صحیح طرح نافذ ہو چکے ہیں وہ ممالک قانون سازی کے اعتبار سے خود کفیل ہو چکے ہیں اور ان کے تمام معاملاتِ زندگی میں اس قانون نے ان کی ضروریات کو اچھی طرح پورا کر دیا ہے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ عالم اسلام میں صدیوں تک اسلامی ریاست قائم رہی ہے اور اپنی قوت، شوکت اور گرفت کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز رہی ہے۔ اس ریاست نے اپنی تمام آبادی کو عدل وانصاف اور نظم ونسق سے معمور کیا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگوں نے اسلامی ریاست میں امن وامان، عدل وانصاف اور حریت وآزادی فکر کی فضاؤں میں زندگی بسر کی ہے اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر اسلامی ریاست اسلام ہی کے نظام تعزیزات پر قائم رہی ہے۔ یہ حقیقت اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی قانون کا عمل تب بھی تھا اور اب بھی ہے اور یہی نظام قانون ہر دور میں امن وامان اور عدل وانصاف کا علم بردار رہا ہے۔ اس کی زندہ مثال آج بھی سعودی حکومت فراہم کرتی ہے۔ یہ بات ہر خاص وعام کی زبان پر ہے کہ سعودی حکومت میں مکمل امن وامان قائم ہے اور اسلامی شریعت کی روشنی میں وہ ایک کامیاب اور مکمل نظام قانون فراہم کر رہے ہیں۔

مآخذ

۱۔ کلالہ کے معنی ہیں وہ آدمی جس کا نہ کوئی لڑکا زندہ ہو اور نہ ہی والدین زندہ ہوں۔

۲۔ اجتہاد مطلق اور اجتہاد مقید کو ہم کلی اور جزئی اجتہاد بھی کہہ سکتے ہیں۔کلی اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ بروقت قائم شدہ صورت حال کے بارے میں وہ موقف اختیار کیا جائے جس میں شریعت **کی** اصل روح کے ساتھ عمومی مصلحت کی رعایت بھی برتی گئی ہو اور جو وقتی حل سے آگے بڑھ کر اسلام کے وسیع تر مقصد تک پہنچنے میں معاون و مددگار بنے اور جزئی اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ بروقت جو صورتحال (الوضع الراھن) سامنے ہے اس سلسلہ میں حکم شرعی کو معلوم کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ مختصراً مصلحت وقتی کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اپنے عمل کا رخ متعین کرنے کا نام جزئی اجتہاد ہے اور مصلحتِ عمومی کو ملحوظ نظر رکھ کر عمل کا رخ متعین کرنے کا نام کلی اجتہاد ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

۳۔ مثلاً لفظ خاص ہے یا عام، مجمل ہے یا متشابہ، مفصل ہے یا مفسر، ظاہر ہے یا مشکل وغیرہ۔ پھر ان الفاظ سے وجوب کا حکم نکلتا ہے یا مستحب کا یا حرام کا مفہوم نکلتا ہے یا مکروہ کا۔ یہ حکم صراحۃ النص سے نکلتا ہے یا اشارۃ النص یا دلالۃ النص سے۔

۴۔ کشف الاسرار شرح اصول البزدوری، ج ۴، ص ۳ اور ابوزہرہ کی کتاب ابوحنیفہ قسم ثانی، ص ۴۷۱

۵۔ دکتور محمد حمید اللہ استحسان کو ایک مثال سے یوں سمجھاتے ہیں کہ ''فرض کیجئے کہ میں آپ میں سے کسی کے سپرد کچھ امانت کروں کہ اسے فلاں جگہ کو پہنچا دو تو توقع یہی کی جائے گی کہ آپ وہی چیز منزل مقصود تک پہنچا دیں گے۔آج کل ہمارے ڈاک خانوں سے منی آرڈر بھیجا جاتا ہے۔ایک رقم آپ ڈاک خانے کے سپرد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس امانت کو تم فلاں شخص تک پہنچا دو۔ جو رقم آپ ڈاک **خانے** کے سپرد کرتے ہیں امانت کا عام اصول تو یہی ہے کہ وہی رقم پہنچائی جائے لیکن ڈاک کے موجودہ نظام کے مطابق آپ کی رقم سرکاری خزانے میں جمع ہو جاتی ہے اور منی آرڈر وصول کرنے والے کو متبادل رقم ادا کردی جاتی ہے۔اصل کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ یہی استحسان کا مفہوم ہے''۔

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے ''خطبات بہاولپور'' از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۱۴۴۔۱۴۵، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۷)

۶۔ ''الموافقات''۔لشاطبی،ص۵۷۔۲۹

۷۔ امام شاطبی نے تنقیح مناط کی تعریف یوں کی ہے ''کسی حکم کے اندر بہت سے دوسرے اوصاف اور اسباب موجود ہوتے ہیں تو ان میں ایک مجتہد اپنے اجتہاد سے کسی ایک سبب اور وصف کو علت قرار دیتا ہے اور بقیہ کو چھوڑ دیتا ہے''۔
مزید دیکھئے الموافقات لشاطبی،ص۶۰،ج۲

۸۔ یعنی شریعت میں کسی حکم کی علت کا اس طرح صراحتہ ذکر نہ ہو کہ اسے مناط حکم بنایا جا سکے تو اب اس کی علت مجتہد اپنے اجتہاد و قیاس سے اخذ کرتا ہے۔
تخریج مناط میں چونکہ علت متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کی تعین اجتہاد و قیاس کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے علت کے معلوم کرنے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے جیسے عبادہ بن الصامتؓ کی اس روایت کے سلسلہ میں علتؐ کی تعین میں ائمہ کا اختلاف ہے جس میں سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک کے ایک دوسرے سے تبادلہ میں یہ شرط ہے کہ بمثل سواء بسواء یدابیدً ہو یعنی ان کے تبادیہ میں شرط یہ ہے کہ ان چیزوں کی قسم بھی یکساں ہو اور برابر ہو اور نقد معاملہ ہو (جس کا ذکر میں نے تخریج مناط کی تعریف کے دوران کیا ہے)

۹۔ "الرجال قوامون علی النساء" ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں''(النساء۳۴)

۱۰۔ "والتفضیل للرجال لکمال العقل و حسن التدبیر" (صفوۃ التفاسیر۱/۲۷۴)

۱۱۔ رسولؐ نے فرمایا ہے "فیہ نباء ما قبلکم و خبرمابعدکم و حکم ما بینکم وھو حبل اللہ المتین وھو الذکرالحکیم وھوا الصراط المستقیم لا تنقضی عجائبہ و لایشبع منہ العلماء و لا یخلق عن کثرۃ الردی"۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول (۷/۴۶۴)

۱۲۔ جامع الاصول فی احادیث الرسولؐ (۸/۴۶۴)

۱۳۔ القرآن۔۷/۱۳۶

۱۴۔ اس کتاب کا ترجمہ اب دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔مزید تشریح کے لئے دیکھئے ''فکر اسلامی، افکار اسلامی کی تشریح و توضیح''مولانا وحید الدین خان۔ص۷۰، ۲۰۰۰ء

۱۵۔ صحیح بخاری شریف (کتاب الجہاد) فتح الباری ۲۰۸/۶

۱۶۔ صحیح مسلم بشرح النووی (۴۳/۱۸)

۱۷۔ قرآن میں سورۃ المائدہ آیت نمبر۳۲ میں ارشاد ربانی ہے کہ جس نے ایک انسانی جان کو ہلاک ہونے سے بچایا اس نے گویا ساری انسانیت کو بچایا۔

۱۸۔ ''تم پر مردار خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا جائے حرام ہے'' (البقرہ، آیت نمبر۱۷۳)

۱۹۔ فتاوٰی عالمگیری مطبوعہ شیخ غلام علی، جلد ۹، ص ۹۸

۲۰۔ المغنی لابن قدامہ، جلد چہارم، ص ۲۶۰

۲۱۔ فتاوٰی عالمگیری، جلد ۹، ص ۱۰۷

۲۲۔ فتاوٰی عالمگیری، جلد ۹، ص ۱۰۷

۲۳۔ مثلاً مولانا مفتی محمد شفیع نے ''جدید مسائل کے شرعی احکام'' (طبع کراچی، سنہ ۱۳۸۰ھ) اور مولانا ابوالحسن ازید فاروقی نے اسلام اور فیملی پلاننگ (طبع دہلی) ۱۳۸۸ھ، رسالہ فکر و نظر کے شمارے سے بحث کی ہے۔

۲۴۔ مولانا مجیب اللہ ندوی کی یہی رائے ہے اور اس نے اس رائے کا اظہار ۱۹۷۶ء میں ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز (جامعیہ ملیہ) کے زیر اہتمام سمینار میں کیا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ان کا مقالہ ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' محرکات وضرورت' ص ۱۰۳، (کتاب) فکر اسلامی کی تشکیل جدید از ضیاء الحسن ومشیر الحق، مطبع ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعیہ ملیہ دہلی، جولائی ۱۹۷۸ء

۲۵۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے۔ یہ حرام چیزیں انسان کے لئے صرف اس وقت استعمال میں لانے کی اجازت ہے جب وہ قریب المرگ ہو اور کوئی دوسری سبیل نظر نہ آئے۔ یہ چیزیں کھانے کے ساتھ وہ اضافہ نہ کرے یعنی پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ اس لئے آیا ہے الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ۔ اس صورت میں وہ گناہ سے بچ جائے گا اور اجر وثواب کا بھی مستحق ہوگا دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے فمن اضطر غیر باغ و لاعاد فلا اثم علیہ (اسی سے غیر اسلامی ریاستوں میں

سودی لین دین کی جوازیت نکلتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دراصل اسلامی شریعت نے معاملاتی اور تمدنی امور میں انسان کو غیر معمولی مشقت سے بچانے اور ناسازگار حالات میں اسلامی احکام کے منشا و مقصد کے تحفظ کیلئے رفع حرج اور تیسیر و تسہیل کی جو صورتیں پیدا کی ہیں، ان میں عموم بلویٰ کا لحاظ اور فساد زمانہ کی رعایت بھی ہے مگر اس لحاظ و رعایت کا مقصد محارم شریعت کا استحلال یا احکام شریعت کا تعطل نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اس کی دوامی حیثیت کی حفاظت اور اس کو بالکلیہ تعطل سے بچانا ہے۔ خاص طور پر جہاں مسلمان خود دستور سازی کی پوزیشن میں نہ ہوں بلکہ وہ کسی سیکولر اسٹیٹ میں ہوں وہاں انہیں بین الاقوامی معاملات میں عموم بلویٰ کا سہارا ہی لینا پڑے گا۔ اسلامی عقائد و عبادات میں تو کسی وقت بھی تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے اس لئے ان کا تعلق زندگی کی تغیر پذیر قدروں سے نہیں ہے۔ مگر معاملاتی، معاشرتی اور تمدنی احکام کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ ان کا دارومدار انسانی زندگی کی مادّی قدروں پر ہے جو ہر آن تغیر پذیر رہتی ہیں اور روزانہ ان پر نئی نئی صورتیں اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے اسلامی شریعت نے تمدنی معاملات کے سلسلے میں جو ہدایات دی ہیں۔ ان میں حلال و حرام کی بنیادی اور دوامی قدروں کے ساتھ قیاس واجتہاد کی ایسی صورتیں رکھی ہیں جن سے شریعت کا منشا و مقصد بھی فوت نہیں ہونے پاتا اور اسلامی احکام معاشرے کے ارتقاء میں حائل بھی نہیں ہوتے۔

۲۶۔ یہ خبر رابطہ العالم الاسلامی کے تحت نکلنے والے اخبار العالم الاسلامی (مکہ، سعودی عرب) کے شمارہ ۲۴، ذولقعدہ، ۲ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ، مطابق ۲۴ اپریل، یکم مئی ۱۹۹۵ء میں اس کے انگریزی صفحہ پر اس عنوان پر چھپی ہے۔

Tantawi Okays banks profits and interests

In an unprecedented *Fatwa* with which most of Islamic Ummah's *Imams* and legislators differ, Dr. Muhammad Sayed Tantawi, the *Mufti* of Egypt has said there is nothing wrong with the bank's specificatin of profit rate. He has even gone beyond that to emphasise that the banks which set the rate of its profits are much closer to Islam.

(The Muslim world, Makkah, April 24-May 1, 1995)

۲۷۔ ڈاکٹر سید نواب حیدر نقوی کی انگریزی کتاب

"Ethics of Economics" by Dr. Sayyid Nawab Haider Naqvi (Islamic Book Foundation, UK., pp 110-113

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے انگریزی کتاب

Jameel Jalibi and Khazia Kadir "The Changing World of Islam"
Bureau of Composition, Compilation and Translation
University of Karachi, (Pakistan) 1986